حزب الرفاہ اور اس کا اسلامی تناظر

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

ترکی میں مارچ ۱۹۹۴ء کے بلدیاتی انتخابات کے نتائج نے حکمرانوں کی راتوں کی نیند اڑادی ہے، وہ حزب مخالف کے رہنماؤں سے مل کر اور اسرائیل وامریکہ کی امداد حاصل کرکے حزب الرفاہ اور اس کے رہنما پروفیسر نجم الدین اربکان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ ۱۳/اپریل کو انقرہ میں رفاہ کے صدر نے ایک بیان میں کہا کہ "حزب الرفاہ اقتدار میں آرہی ہے اب یہ سوچنا ۶۰ ملین ترکی عوام کا کام ہے کہ اقتدار کی یہ منتقلی پرامن طریقے سے ہوگی یا خوں ریزی ناگزیر ہوگی۔" انقرہ کے سرکاری وکیل نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے قانون کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور انھیں اسٹیٹ سیکورٹی کورٹ کے سامنے جواب دہی کرنی ہوگی۔ حالیہ بلدیاتی انتخاب میں اسلام پسندی کے لیے معروف اس سیاسی جماعت کو جو فتح حاصل ہوئی ہے اس کے اسباب پارٹی کے اصول وضوابط، بے لوث مخلصانہ کردار کے علاوہ خود ترکی حکومت کی داخلہ وخارجہ پالیسیوں کا ابہام، تضاد اور منافقانہ روش ہیں۔

پچھلے کئی سالوں سے کردستان کا مسئلہ ترکی حکومت کے لیے کافی مشکلات کا باعث بنا ہوا ہے اور یہ ترکی قومیت ہی کا پیدا کردہ ہے۔ خلافت عثمانیہ کے آخری ادوار میں مغربی طاقتوں نے ترک قومیت کو خوب ہوا دی اور مغربی فکر سے مرعوب ومتاثر مصطفیٰ کمال اتاترک (۱۸۸۱ — ۱۹۳۸ء) اور ضیا گوک الپ[1] (۱۸۷۵ء — ۱۹۲۴ء) نے اسلامی ملی تصور کے علی الرغم اس نظریہ کی نشر واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔[2] ترک نیشنلزم کی مے اس قدر لنڈھائی گئی کہ عوام اس نشہ سے سرشار ہو کر عربوں اور مسلمانوں سے کٹ کر رہ گئے اب اسی قومیت کی تخم ریزی اسلام دشمن قوتیں کُردوں میں کر رہی ہیں اور انھیں کردستان کی علاحدہ ریاست کی تشکیل وتاسیس کے لیے اخلاقی، نظریاتی اور مادی وجنگی حمایت وتائید

سے نواز رہی ہیں۔ انقرہ کے حکمرانوں کو پھر بھی یہ امید لگی ہوئی ہے کہ مغربی طاقتوں کا رویہ سیکولر ترکی کے مفاد میں اور دہشت گردی کے خلاف ہوگا۔ انھیں اپنی تاریخ کے اسباق بھی یاد نہیں رہے اور موجودہ عالمی سیاسی تناظر بھی ان کی نظروں سے اوجھل معلوم ہوتا ہے۔

دراصل مسئلہ کردستان کے دو پہلو ہیں:

۱۔ ترکی عوام کا وہ طبقہ جو اپنے کو کرد کہلاتے ہیں، مختلف سطح کی محرومیوں اور نابرابری کا شکار ہے اور موجودہ کردستان ورکرز پارٹی (PKK) انہی مظلومیتوں کی پیداوار اور اسی ظلم و نامساوات کا ردِّ عمل ہے۔ اس مسئلہ کو حکومت داخلہ پالیسی میں مناسب اصلاح کرکے حل کر سکتی ہے جس سے ان کی مشکلات تفاہم و تعاون کے ماحول میں دور ہو سکیں۔

۲۔ موجودہ PKK ان انتہا پسند کردوں کی تنظیم ہے جنھیں بیرونی طاقتوں کی حمایت اور امداد حاصل ہے۔ اس تنظیم کی حکمت عملی یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تشدد اور جارحیت کا ارتکاب کیا جائے جن کے ردعمل میں سیکورٹی فورسز سخت کارروائی کریں اور اس طرح بالواسطہ یا براہِ راست مظلوم طبقہ کی حمایت انھیں حاصل ہو جائے اور دنیا کی نگاہ میں وہ مظلومیت کا پیکر بن کر آجائیں۔

ترکی حکومت نے اول الذکر پہلو پر کبھی توجہ نہ دی اور اس طرح وہ PKK کے بنے ہوئے جال میں پھنستی چلی گئی اور مسئلہ دن بدن زیادہ پیچیدہ ہوتا چلا گیا۔ وزیر اعظم تانسو شلیر (Tansu Ciller) نے خود اس بات کا اعتراف کیا کہ انھیں یہ مسئلہ پہلے اتنا گمبھیر نہ معلوم ہوا تھا اور یہ کہ 'عسکری حل' کے سوا انھیں کوئی راستہ نظر نہیں آتا ہے[۵]

حزب الرفاہ کے رہنما پروفیسر نجم الدین اربکان نے ایک بیان میں کہا کہ 'اسلام ہی کرد مسئلہ کا تنہا حل ہو سکتا ہے مگر بدقسمتی سے ترکی دستور نے اسلام کو رفض و بدعت سے زیادہ قابل نفرت بنا دیا ہے' اور اب عسکری و فوجی حل کے سوا کوئی راہ حکمرانوں کو نظر نہیں آرہی ہے چنانچہ صورتِ حال یہ ہے کہ ترکی کی تنظیم حقوق انسانی Turkish Human Rights Association نے ۸۷۴ ایسے گاؤں اور دیہاتوں کی نشاندہی کی ہے جو ۱۹۹۰ء سے اب تک سیکورٹی افواج کے ذریعہ خالی کرائے جا چکے ہیں، سال گزشتہ ۱۹۹۳ء میں ۴۱۰۰ انسانوں کا خون ناحق بہایا جا چکا ہے۔ اس جارحیت نے PKK کی مظلومیت کی داستان چہار دانگ عالم میں پھیلا دی ہے اور ترکی افواج کے بارے میں عوامی تاثر کافی خراب ہوا ہے۔

ایک دلچسپ پہلو اس کا یہ ہے کہ PKK عام طور پر مارکسسٹ۔اسٹالنسٹ جماعت سمجھی جاتی ہے مگر اس نے بھی مذہب کا سہارا لے کر سیکورٹی افواج کو کافر قرار دیا ہے اور یہ نکتہ نظر ان مظلومین میں عام ہو رہا ہے جو دہشت پسندانہ سرگرمیوں کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کا شکار ہوتے ہیں۔

دوسری طرف محترمہ شیلر کی خارجہ پالیسی بھی عجیب تضادات کا شکار ہے۔ وزارت خارجہ کے ایک سکریٹری Ozdem Sanberk نے اصولی انداز میں پہلے حکومت کی خارجہ پالیسی کی وضاحت کی کہ "ترکی کے لیے اسلام اور مسلمانوں کو ترجیح دینا ایک فطری امر ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ بہت سی عیسائی اقوام ترکی پر مذہبی جذبہ کے ساتھ نظریں لگائے بیٹھی ہیں۔ ان اقوام کی رعایت بھی ناگزیر ہے ورنہ ترکی اپنا اعتماد و اعتبار کھو بیٹھے گا اور اس کی خارجہ پالیسی کو ترکیت یا اسلام کے دائرہ میں محصور نہیں کیا جا سکتا۔" سینبرک نے یہ بیان استنبول کے Intellectual club کو خطاب کرتے ہوئے دیا۔

اُس وقت کے وزیر خارجہ حکمت سیٹن نے ۱۳ - ۱۵ نومبر ۱۹۹۳ء کے دورۂ یروشلم کے دوران بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اسرائیل سے دوستانہ تعلقات کی حمایت کی۔ اس حقیقت سے کون آنکھیں بند کر سکتا ہے کہ بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ غاصبانہ و ظالمانہ ہے اور اقوام متحدہ اور منظمۃ المؤتمر الاسلامی دونوں نے بارہا اس قبضہ کی مذمت کی ہے تاہم ان دونوں مؤقر اداروں کی رکنیت کے باوجود ترکی وزیر خارجہ نے نام نہاد "چمنستانِ امن" میں جا کر شجرکاری کی اور ان کی زبان اُس وقت بھی خاموش رہی جب اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیریز نے یہ بیان دیا:۔

> "یروشلم کی حیثیت پر کسی نقد و تبصرہ کی دعوت دینا اسرائیل کی بہت بڑی غلطی ہوگی۔ آخر ہمیں اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یروشلم ماضی میں اسرائیل کا دارالحکومت رہا ہے اور آج بھی ہے۔" [۵]

وزیر خارجہ اسرائیل کا یہ ردعمل اس سوال کے جواب میں تھا کہ کیا انھوں نے ترکی مہمان کی رائے یروشلم کے بارے میں لی ہے؟ اور ترکی وزیر خارجہ کا اس پر کیا موقف ہے؟ حکمت سیٹن نے شمعون پیریز سے کہا کہ وزیر اعظم شیلر کو اسرائیل آنے کا شوق ہے چنانچہ اس کے جواب میں رابن کی اسی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ سیٹن نے ۱۲ دفعات پر مشتمل اسرائیل

سے تہذیبی و اقتصادی تفاہم کے معاہدہ پر دستخط کیے اور فتح کے نشہ میں انقرہ واپس آئے۔

جنوری ۱۹۹۴ء میں صدر اسرائیل ایزر وائزمین کا چار روزہ دورۂ ترکی اس کے جواب میں تھا۔ اسرائیل میں متعین ترکی سفیر نے اسے صہیونیوں کے ساتھ تعلقات میں ایک نئے باب کا اضافہ قرار دیا۔ صدر وائزمین نے اپنے دورہ کے تین مقاصد بتائے:

۱۔ عرب اور مسلم ممالک میں ترکی کے ذریعہ معاشی وسیاسی اور عسکری اثر و نفوذ حاصل کرنا۔
۲۔ خطہ کی تعمیر نو میں ترکی حکومت کا تعاون حاصل کرنا۔
۳۔ ترکی سے پانی کی اسرائیلی ضروریات کی تکمیل کرنا۔

وائزمین نے جب شہر Sanilurfa کا دورہ کیا اور وہاں South - East Anatolia Project کا معائنہ کرنے پہونچے تو عوام نے اس کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور اپنے سخت غم و غصہ کا اظہار کیا۔ گرچہ ریاستی وزیر نجم الدین سیوہیری نے صفائی پیش کی کہ صدر وائزمین کے دورہ سے ہمارے پروجیکٹ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تاہم عوام نے ریڈیو اسٹیشنوں پر قبضہ کرکے اپنی برہمی کا اظہار کیا اور اعلان کیا کہ انبیاء کے اس شہر میں وائزمین کی آمد کے ہم خلاف ہیں۔

وائزمین کی میزبانی کے پس پردہ ترکی حکومت چاہتی تھی کہ کردستان ورکز پارٹی (PKK) کی دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے اسرائیل سے کوئی دفاعی معاہدہ ہو جائے اور مشترکہ دشمن حافظ اسد، جو کرد دہشت گردوں کو پناہ دے رہا ہے، کے خلاف اسرائیل کی حمایت مل جائے لیکن وائزمین نے بڑی عیاری سے ان مسائل سے بے اتفاقی کی۔ اس نے حافظ اسد کو دشمن قرار نہ دیتے ہوئے امن کے قیام میں اس رہنما کے کردار کے امکان کا اظہار کیا اور شامی صدر کو بہادر اور قابل اعتماد فرد بتاتے ہوئے اس سے گفت و شنید کی تجویز ترکی کے سامنے رکھ دی۔ اس نے PKK کو ایک دہشت گرد تنظیم سمجھنے سے انکار کر دیا مگر بار بار کے اصرار کے بعد اس نے حکومت کی دلجوئی کے لیے صرف اتنا کہا کہ جن لوگوں کو مسائل کے تئیں مظلومیت کا احساس ہے انھیں دہشت گردی کا سہارا لینے سے پہلے دوبارہ اپنے موقف پر غور کرنا چاہیے۔ کرد ریاست کے تئیں اس کا مبہم جواب یہ تھا کہ "ہم مشرق وسطیٰ میں آزاد فلسطینی ریاست کی وجہ سے سخت مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں ہم زیادہ سے زیادہ انٹیلی جنس کی ٹریننگ اور باہم تبادلہ کا نظم کر سکتے ہیں آپ کو اپنے

دہشت گردوں کے خلاف جنگ خود لڑنا ہوگی۔ یہ کسی ملک کے لیے بہت مشکل ہے کہ دوسرے ملک کی دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے وہاں جاکر جسمانی طور سے جنگ میں شریک ہو"۔ ۵۹

ترکی سیاست کا یہ عجیب المیہ ہے کہ وہاں کی حکمراں جماعت اور حزب مخالف سبھی اسرائیل سے سفارتی تعلقات بحال کرنے اور امن و دوستی کے تبادلہ کے حق میں ہیں چنانچہ حزب مخالف ANAP کے رہنما میسوت ایلمازنے بھی صدر وائزمین کو ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا البتہ حزب الرفاہ کا موقف اس معاملہ میں سخت ہے پارٹی کے ڈپٹی چیرمین صبغت کازان نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ "اسرائیل دہشت گردی کا مولد ہے اور اس نے ترکی سرحدوں پر حرص و طمع کی نگاہ جما رکھی ہے"۔ ۶۰

اسرائیل ترکی تعلقات کے علاوہ کردستان کے مسئلہ پر بھی حزب الرفّاہ کا موقف بالکل واضح ہے۔ ۴ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو پچاس اراکین امریکی کانگریس نے وزیر اعظم ترکی کو ایک خط میں لکھا کہ انھیں اس امر پر سخت تشویش و اضطراب ہے کہ منتخب اراکین پارلیمنٹ کو قومی اسمبلی میں کردوں کے مسئلہ پر اظہار خیال کرنے کے جرم میں موت کی سزا دی جارہی ہے۔ ان امریکی کانگریس اراکین نے ترکی حکومت کو انتباہ دیا کہ اگر کردوں کو سیاسی عمل میں شریک نہ کیا گیا تو کردستان کا مسئلہ حل نہ ہوسکے گا اور دہشت گرد ہر طرح سے مستحکم ہوتے جائیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ ترکی حکومت اس بات کو کبھی پسند نہ کرے گی"۔ اسی طرح کے خطوط جرمنی کے اراکین پارلیمنٹ کی جانب سے اور دوسرے یوروپین ممالک کی طرف سے وزیر اعظم کو موصول ہوئے۔

یوروپین یونین کے یہ ممالک کردستان کی علیحدگی پسند تحریک کو ہوا دے رہے ہیں اور کرد جمہوریہ کے قیام کے لیے ترکی حکومت کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں یوروپین پارلیمنٹری اسمبلی نے ترکی میں حقوق انسانی کی خلاف ورزی پر اپنی رپورٹ شائع کی اور ترکی دستور کی دفعات ۴، ۱۴، ۶۸، ۶۹ اور ۸۴ میں مناسب ترمیم کرنے پر زور دیا تاکہ جمہوریت کے تقاضوں کی تکمیل ہوسکے۔ اس رپورٹ نے ترکی میں اسلام پسند جماعت کی موجودگی کو جمہوریت کے لیے خطرہ قرار دیا۔ مذکورہ بالا دفعات کی ترمیم کی تجویز اس لیے رکھی گئی کہ دفعہ نمبر ۴ اور ۱۴ کا تعلق جمہوریہ کے کردار اور وحدت و سالمیت سے ہے جبکہ دفعہ ۶۸ اور ۶۹ سیاسی حقوق سے اور سیاسی جماعتوں کی تحلیل سے متعلق قواعد و ضوابط سے بحث کرتی ہیں اور دفعہ ۸۴ پارلیمنٹ کی رکنیت سے مستعفی ہونے کے بارے میں ہے۔

ترکی کا موجودہ دستور جنرل کنعان اورن کی فوجی حکومت کا تحفہ ہے جسے مغرب کا آشیرواد حاصل تھا۔ ترکی عوام آئین کی بعض غیر جمہوری دفعات کی تبدیلی کے حق میں پہلے سے تھے لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عوام کا مقصد و مدّعا اور اسٹارسبرگ میں منعقد یوروپین اسمبلی کا محرک و نصب العین ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متصادم ہیں۔ اگر ترکی عوام آئین میں ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ اپنا بنیادی حق تصور کرتے ہیں تو یوروپین اسمبلی بھی اسے اپنا حق سمجھتی ہے کہ ترکی جمہوریت کا وہ ماڈل تیار ہو جو اس کی مرضی اور خواہشات و مفادات کا محافظ ہو چنانچہ اسمبلی کے چیرمین Miguel Angel Martinez نے ترکی کو دھمکی دی ہے کہ اگر مجوّزہ دفعات میں ترمیم نہ کی گئی تو یوروپین اسمبلی کونسل آف یوروپ کی اس کی رکنیت کا جائزہ لے گی اور یوروپ کی وحدت کے دائرہ میں اور اس کے مفاد کو سامنے رکھ کر اقدام کرے گی۔

حزب الرّفاہ کو اس صورت حال کا سخت نوٹس لینا پڑے گا اور اس منظرنامہ کو تبدیل کرنا ہوگا جس میں یوروپین یونین کی رکنیت کی بحالی و برقراری کے لیے سیاسی و تہذیبی سودے بازی کرنی پڑے اور مغرب کی خواہشات و مفادات کی نگراں جمہوریت کی تنفیذ کر کے ترکی ریاست کے تشخص اور وقار کو قربان کرنا پڑے۔ کردستان کے مسئلہ پر پروفیسر نجم الدین اربکان اور ان کی حزب الرّفاہ نے صاف اور دو ٹوک موقف اپنایا ہے۔ پارٹی کے وائس چیرمین عبداللہ گلؔ نے مارٹنیز کو جواب میں لکھا کہ :-

Refah supported 'the right of Kurds to preserve their traditions and culture and to speak their own Language as it was during the Ottoman period. No problem was there, because it was a natural human right, but it is an internal issue which can only be solved with an Islamic and fraternal approach and not with a racial mind; ے

یعنی حزب الرّفاہ نے کُردوں کے اس حق کی حمایت کی ہے کہ وہ اپنی روایات اور ثقافت کا تحفظ کریں اور اپنی زبان میں گفتگو کر سکیں جیسا کہ سلطنت عثمانیہ کے دور میں تھا۔

اُس وقت یہ کوئی مسئلہ نہ تھا کیونکہ یہ ایک فطری انسانی حق سمجھا جاتا تھا۔ تاہم یہ ایک داخلی مسئلہ ہے جو اسلام کی روشنی میں اور برادرانہ جذبات کے ساتھ حل کیا جاسکتا ہے اسے نسلی ذہن کے ساتھ حل نہیں کیا جاسکتا۔

داخلی و خارجی سطحوں پر حزب الرّفاہ کے صریح اسلامی موقف اور مخلصانہ رویّہ کے علاوہ پارٹی کے زیر انتظام چلنے والی بلدیات کی ایماندارانہ کارکردگی اور روزمرّہ استعمال ہونے والی اشیاء کی سستی قیمتوں میں فراہمی نے بھی اس کی عوامی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے۔ مادّی سیکولر نظام کے پروردہ سیاست دانوں کی اخلاقی گراوٹ، تہذیبی بحران اور ملکی سیاست کے تئیں ان کی افادی روش نے عوام کو ان سے دور کر دیا ہے اور کرپشن اور بدکرداری کے خلاف ان کی نفرت میں اضافہ ہوا ہے۔ دیار بکر بلدیہ کی روزانہ آمدنی پہلے تین ملین ترکی لیرا ہوا کرتی تھی لیکن حزب الرّفاہ کے میئر نے اس شہر کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا تو اپنی قوت کارکردگی اور امانت و دیانت کی بدولت دو ماہ کے مختصر عرصہ میں اس آمدنی کو پچاس ملین ترکی لیرا تک پہونچا دیا۔ قونیہ میں اس جماعت کے میئر نے اخراجات میں تخفیف کی خاطر ٹیکسی اور عوامی ذرائع نقل وحمل کے استعمال کا التزام کیا اور پرائیوٹ کاروں اور پرتکلف گاڑیوں سے اجتناب کیا جس کی وجہ سے ایک بڑی رقم کی بچت ہوئی جو اب تک ناقابل تصور تھی۔ انقرہ میں اس جماعت نے نظم و انصرام سنبھالتے ہی پانی کی قیمتوں میں پچاس فیصد کی تخفیف کر دی اس وقت انقرہ زمین دوز میٹرو سسٹم کی تشکیل و تعمیر میں مصروف ہے۔ سوشل ڈیموکریٹک پیپلز پارٹی (SHP) کے سابق میر Murat Karayalcin نے، جو اس وقت ڈپٹی پرائم منسٹر ہیں، ریل کاریں درآمد کی تھیں اور ہر ریل کار کی قیمت ساٹھ بلین ترکی لیرا تھی۔ حزب الرّفاہ کے میر Melih Gokcek نے اپنے عہدہ کا چارج لیا تو درآمد کا یہ سلسلہ روک دیا اور ترکی ہی میں ان گاڑیوں کی صنعت سازی شروع کی چنانچہ پانچ بلین ترکی لیرا ہی میں انھوں نے اس ریل کار کو تیار کرالیا۔ اسی طرح حزب الرّفاہ کے زیر انتظام بلدیاتی انٹر پرائز میں بریڈ کے ایک پیکٹ کی قیمت ۲ ہزار ترکی لیرا ہے جبکہ دوسری بلدیات میں یہ پیکٹ سات ہزار لیرے سے کم میں دستیاب نہیں ہے۔

حزب الرّفاہ کے کارکنوں نے مارچ ۱۹۹۴ء کے بلدیاتی انتخابات کے بعد مختلف شہروں کے انتظامات سنبھالے تو اُن پر قرضوں کا زبردست بار تھا کیونکہ سیاست دانوں

کی بدکرداری اور فضول خرچی نے معیشت کو تباہ و برباد کر دیا تھا مثال کے طور پر ارض روم پر ایک ٹریلین لیرے کا قرض تھا، استنبول ۵۲ ٹریلین لیروں کا مقروض تھا اور انقرہ پر ایک سو بیس ٹریلین قرضے کا بوجھ تھا۔ اسی لیے حزب الرفاہ کے مخلص اور باکردار کارکنوں نے صورت حال کا سنجیدہ نوٹس لیا۔ انتظام و انصرام کو قابو میں کیا۔ اسراف اور فضول خرچی پر روک لگائی۔ رشوت ستانی اور بدکرداری پر قدغن لگائی۔ عوامی فنڈ کا غلط استعمال روکا۔ آمدنیوں میں اضافہ کیا اور ملکی صنعتوں کی تشکیل کر کے ایک طرف روزگار کے مواقع فراہم کیے اور دوسری طرف ملک کو خودکفالت اور خود انحصاری کی راہ دکھائی۔ انتخاب سے قبل پارٹی کے خلاف پروپگنڈہ کیا گیا تھا کہ وہ حجاب کی پابندی نہ کرنے والی خواتین کے سر قلم کر دے گی۔ خواتین کے سر وہ کیا قلم کرتی ہاں چوربازاری، رشوت ستانی، عوامی دولت کے بے جا استعمال، قومی معیشت کے ضیاع اور ہر طرح کی ناجائز نفع اندوزی کا سر اس نے ضرور قلم کر دیا۔[۵۹]

ترکی میں سیاسی بدعنوانی اور اس کے نتیجہ میں حالیہ بلدیاتی انتخابات میں حزب الرفاہ کی کامیابی اور اس کے کارکنوں کی بے لوث خدمات اور عوام میں ان کی روزافزوں مقبولیت کے یہی وہ حالات تھے جب اکتوبر ۱۹۹۴ء میں کویت کے معروف و مقبول عربی ہفت روزہ المجتمع کے نامہ نگار جناب احمد منصور نے پروفیسر نجم الدین اربکان قائد حزب الرفاہ سے ایک طویل انٹرویو لیا۔ نامہ نگار کے سوالات کا جواب محترم اربکان نے اپنی طویل گفتگو میں اس طرح دیا:

پروفیسر نجم الدین اربکان کی توضیحات

سوویت یونین کے سقوط اور اشتراکیت کے زوال کے بعد مغربی دنیا نے نیو ورلڈ آرڈر کا نعرہ دیا اور نئے منصوبوں اور تجاویز کے ساتھ ایک نئے عالمی نظام کی تشکیل کی دعوت دی۔ چونکہ مغربی تہذیب حق و انصاف پر نہیں بلکہ محض قوت و طاقت پر قائم ہے اس لیے اس نئے نظام کے معیارات بھی حق کے بجائے قوت پر انحصار کرتے تھے، آج اس نظام کے ذریعہ مغربی دنیا بقیہ دنیا پر قابض ہونا چاہتی ہے اور اپنی قوت و طاقت کے بل پر اس کی صلاحیتوں کا استحصال کرنے کی آرزومند ہے اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنا چاہتے ہیں کیونکہ تنہا اسلام ہی وہ نظریۂ حیات ہے جو

ہر حق دار کو اس کا حق دلاتا ، ظلم و استبداد کا خاتمہ کرتا اور انھیں انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کرتا ہے یہاں ہم ایک حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ اسلام ایک آفاقی مذہب اور دین حنیف ہونے کی وجہ سے صرف مسلمانوں کی خوش حالی و کامرانی کو اپنا مقصد قرار نہیں دیتا بلکہ اس کے پیش نظر پوری انسانیت کی فلاح و بہبود ہے اسی لیے ہم انسانیت کی سعادت و خوش حالی کے لیے متحرک ہیں اور پوری دنیا کی بہبود کے لیے جدو جہد کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس جو اسلامی دستور اور نبوی اخلاق و تعلیمات ہیں وہ خالق کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت و محبت کی تلقین کرتی ہیں مگر مغرب میں انتہا پسند صہیونیوں اور عیسائیوں کے ایسے مراکز موجود ہیں جو تمام وسائل و ذرائع کو اختیار کر کے اسلام کے خلاف شعلہ زنی اور مسلمانوں کے خلاف الزام تراشی میں مصروف ہیں غالباً بیت المقدس ان کی حرص و طمع اور مفاد و منفعت کو دور قدیم ہی سے ظاہر کرتا رہا ہے۔ جہاں یہ ہمیشہ قتل و خوں ریزی کا ارتکاب کرتے رہے ہیں۔ یہ ان کی تاریخ کو نمایاں کرنے والی ایک بہترین مثال ہے۔ بوسنیا اور ہرسک، کشمیر اور فلسطین اور آذربائیجان وغیرہ دنیا کے مختلف حصوں میں ان کے جرائم ان کی اس ذہنیت پر شاہد ہیں۔ ناٹو کی حلیف طاقتیں پہلے اپنی فوجی چالوں میں دشمن سوویت یونین کی طرف اشارہ کرنے کے لیے سرخ علم کا استعمال کرتی تھیں مگر اب نئے دشمن (مسلمانوں) کی علامت ان کے نزدیک سبز علم بن چکی ہے۔

مغرب کی ان ظالمانہ کارروائیوں اور اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ان کی عداوتوں اور سازشوں کے عوامل ایسے ہیں جنھوں نے اسلامی بیداری کی تخم ریزی میں اور اس کی افزائش و ارتقا میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اس کی بہترین مثال ترکی میں اور عالم اسلام میں اسلامی نشأۃ ثانیہ کی تحریک ہے۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ ترکی ۱۹۴۶ء سے متعدد سیاسی جماعتوں کی رزم گاہ رہا ہے جس میں اگر کوئی انقطاع ہوا ہے تو فوجی انقلاب کی وجہ سے۔ مغرب نواز حکومتیں تقریباً پچاس سالوں سے تشکیل پاتی رہی ہیں لیکن ترکی میں اور عالم اسلام میں پچھلے جو واقعات رونما ہوئے ان سے مغربی اقوام کے ناجائز مفادات کھل کر سامنے آ گئے ترکی قوم نیند سے بیدار ہوئی اور آج ترکی میں کسی بڑی تبدیلی کی آس لگائے بیٹھی ہے جس طرح سوویت یونین کے سقوط سے بڑا انقلاب رونما ہوا اور ظلم و استبداد کی طویل رات رخصت ہوئی۔ آج ترکی قوم کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ تقلید مغرب پر استوار ترکی نظام رو بہ زوال

ہے اور یہ حقیقت پچھلے تین انتخابات کے نتائج سے ظاہر ہے۔
نومبر ۱۹۹۲ء کے ۲۳ بلدیاتی حلقاتِ انتخابات میں انتخاب کنندگان کی تعداد ایک ملین سے زائد تھی۔ اِن انتخابات میں حزب الرفاہ نے ۲۵ فیصد ووٹ حاصل کیے تنہا استنبول میں اسے ۲۸ فیصد ووٹوں کی فتح نصیب ہوئی جبکہ حزب حکمران کو ۱۴ فیصد سے زیادہ ووٹ نہ مل سکے۔ ۲۷ مارچ ۱۹۹۴ء کے انتخابات میں جبکہ پورے ترکی میں الیکشن ہوئے، سیکولر جماعتوں کے مقابلہ میں حزبُ الرّفاہ کو بھاری کامیابی ملی۔ تمام بڑے بلدیات جیسے استنبول، انقرہ، قونیہ، سیواس، ارض روم، دیار بکر اور مرعش میں اور تمام اساسی مراکز میں اس کے نمائندے کامیاب ہوئے۔ بڑی اہم جماعتوں نے مل کر جتنے بلدیات پر قبضہ کیا ان سے زیادہ تنہا حزب الرّفاہ کے قبضہ میں آئیں۔ چنانچہ چھوٹی بڑی ملا کر تقریباً سات سو بلدیات ہیں جن میں سے چار سو بلدیات پر حزب الرّفاہ کا قبضہ رہا۔ یہ دیکھ کر غیر اسلامی قوتوں میں کھلبلی مچ گئی اور مختلف طریقوں سے بعض بلدیات کے نتائج انھوں نے منسوخ کرا دیئے۔ چنانچہ ۳ اور ۱۰ جولائی کو ان میں ازسرِ نو انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں حزب الرفاہ کو ۴۷ فیصد ووٹ ملے جبکہ حکمران جماعت کو صرف ۱۲ فیصد ووٹوں کی برتری ملی اور اسی قدر مدرلینڈ پارٹی کو بھی ووٹ ملے حکومت میں شریک بائیں بازو کی جماعت کو صرف ۵ فیصد ووٹ ملے۔ اس طرح ووٹوں کا مجموعی تناسب ۲۷ فیصد رفاہ کے حق میں اور تینوں بڑی جماعتوں کے حق میں ۲۹ فیصد کا رہا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ترکی کے ہر دو اشخاص میں سے ایک شخص حزب الرّفاہ کی حمایت کر رہا ہے اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ۶۲ ملین سے زائد ترکی مسلمان شوق اور دلچسپی کے ساتھ حزبُ الرفاہ کے اقتدار میں پہنچنے کے منتظر ہیں۔

بلدیات میں حزبُ الرّفاہ کی خدمات

انتخاب میں فتحیاب ہونے کے بعد جن بلدیات پر رفاہ پارٹی کا قبضہ ہوا، وہاں کیا منصوبے اور پروگرام بروئے کار لائے گئے اور اس سلسلہ میں ذمہ داران کو کتنی کامیابی ملی اور کن مشکلات ومسائل کا انھیں سامنا کرنا پڑا، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر نجم الدین اربکان کہتے ہیں:۔

ہم نے جب پچھلے پانچ مہینوں میں حزب الرّفاہ کے زیرِ انتظام چلنے والی بلدیات کا جائزہ لیا تو ہم نے دیکھا کہ رفاہ کے ذمہ داران نے اس مختصر عرصہ میں بڑے بڑے منصوبوں کو مکمل کر لیا جنھیں دیکھ کر ترکی قوم عش عش کر اٹھی۔ اس قومی مسرت و تعظیم کے چار بڑے اسباب ہیں:

۱۔ حزب الرّفاہ ہی اس قوم کے عقیدہ کی نمائندہ جماعت ہے۔

۲۔ ہماری جماعت اس قوم کی قدیم تاریخ اور درخشندہ تہذیب کی نمائندگی کر رہی ہے۔

۳۔ اِن بلدیات کے ذمہ داران شب و روز کی مخلصانہ جدوجہد میں مصروف ہیں جس کا مشاہدہ اس قوم کا ہر فرد کر رہا ہے۔

۴۔ منفعت بخش تمام پروگراموں میں ترکی عوام کو شریک کیا جاتا ہے۔

مغرب نواز سیکولر جماعتوں کا رویہ اس کے برعکس رہا ہے۔ وہ متضاد صفات سے پہچانی جاتی رہی ہیں:

۱۔ انھوں نے ترکی قوم کے عقیدہ کے خلاف محاذ آرائی کی۔

۲۔ اس ملک کی قدیم تاریخ و تہذیب کے استیصال میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

۳۔ انھوں نے اپنے نجی مفادات کا تحفظ کیا اور فوری مصالح پر ملک کے مستقبل کو قربان کیا۔

۴۔ ترکی قوم کے ساتھ ان کا معاملہ تفوّق و تغلّب کا رہا ہے اور کسی منصوبہ میں عوام کو انھوں نے شریک نہ کیا۔

انھی اسباب کی وجہ سے پانچ ماہ کے مختصر عرصہ میں ان بلدیات کی ہر چیز بدل کر رہ گئی۔ ان کی آمدنی میں کم از کم دس گنا اضافہ ہوا۔ اخراجات پر روک لگائی گئی اور عوامی دولت کے غلط استعمال کا سختی سے محاسبہ کیا گیا جو پچھلی حکومتوں کے لیے ناقابلِ تصور اور ناممکن العمل تھا۔ اگر ہم حزب الرفاہ کے زیرِ انتظام چلنے والی بلدیات کی کارکردگی کا احاطہ کرنا چاہیں تو بڑی مشکل پیش آئے گی کیونکہ اس کے لیے متعدد جلدیں درکار ہوں گی۔ معاملہ کی وضاحت کے لیے میں ان پروگراموں اور خدمات میں سے بعض کے کچھ عمومی خاکوں کی تشریح کروں گا۔

مثال کے طور پر بلدیہ انقرہ میں تقریباً بارہ سو بسیں چلتی ہیں لیکن ماضی میں ان سے آمدنی کے بجائے خسارہ ہی ہوتا رہا ہے۔ سال گزشتہ اس خسارہ کی رقم ایک ٹریلین

ترکی لیرے تک پہونچ گئی۔ حزب الرّفاہ نے بس کمپنیوں میں جاری لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کا سدّباب کیا اور پانچ ہی مہینوں میں حالات کو اپنے قابو میں کرکے خسارہ کے بجائے نفع بخشی تک پہونچایا۔ پچھلے سالوں میں اسی بلدیہ پر تین بلین ڈالر کا قرض تھا گویا آمدنی کے بجائے اخراجات ہی کا تسلسل رہا۔ اس کے بعد پروفیسر اربکان نے ریل کاروں کی درآمد اور اس کے اخراجات کی تفصیل بیان کی جو اوپر آچکی ہے۔

استنبول میں پانی کی فراہمی کا مسئلہ

دوسری مثال پروفیسر اربکان نے استنبول میں پانی کی دقت اور اس کے اخراجات کی دی۔ بلدیہ کے سابق ذمہ داروں نے اس مسئلہ پر ایک فرانسیسی کمپنی سے معاہدہ کیا تھا اور صرف مشورہ کی قیمت دس ملین ڈالر چکائی تھی۔ آٹھ ماہ گزر گئے مگر کمپنی کی کوئی کارکردگی سامنے نہ آئی۔ جب حزب الرّفاہ نے انتخاب جیتا تو اس معاہدہ کو کالعدم کردیا اور اس سلسلہ میں قومی آمدنی میں جو خرد برد ہوئی تھی اور ایک بنیادی ضرورت کی تکمیل کے پس پردہ نفع اندوزی کی جو ذہنیت کارفرما تھی اس کو طشت ازبام کرنے کے بعد چند مہینوں میں کم تر اخراجات میں مسئلہ کے ایک بڑے حصّہ کو حل کیا۔

اسی طرح بلدیہ کی صفائی اور کوڑے اور غلاظت کی تطہیر کا مسئلہ خاصا سنگین رہا ہے۔ استنبول میں بارہ ملین سے زیادہ آبادی ہے جس کی صفائی پر کافی اخراجات آتے رہے ہیں۔ حزب الرفاہ نے کافی غور وخوض اور بحث ومطالعہ کے بعد ایک کارخانہ کی تاسیس کا فیصلہ کیا جس میں کوڑے کو کسی مفید کام میں استعمال کیا جاسکے۔ اس منصوبہ پر جو لاگت آئے گی وہ اُن اخراجات کے پانچویں حصّہ سے بھی کم ہوگی جو معاہدوں کے تحت اس کے لیے مامور مغربی کمپنیوں کو ادا کرنا پڑتے ہیں۔

بنیادی ضروریات کی ضمانت

پروفیسر اربکان مزید کہتے ہیں کہ اشتراکیت اور سرمایہ داری میں سے کسی نظام نے انسانی خوشحالی اور فلاح وسعادت کی ضمانت فراہم نہیں کی لیکن حزب الرفاہ جو عادلانہ نظام کی علمبردار ہے، اس نے میسّر قانونی دفعات اور امکانات ووسائل کے مطابق بلدیاتی

اداروں کے ذریعہ نظام عدل کی متعدد اساسیات کی تنفیذ میں کامیابی حاصل کی۔ آج صورت حال یہ ہے کہ روٹی، گوشت اور سبزیوں کی وافر مقدار میں فراہمی پوری ترکی قوم کے لیے ہو رہی ہے اور تاجر حضرات نے ان بنیادی اشیاء کی جو قیمت مقرر کر رکھی ہے اس سے ایک تہائی کم قیمت میں رفاہ کی بلدیات اشیائے خوردنی فراہم کر رہی ہیں۔ دوسری بلدیات میں روٹیوں کی قیمت چھ ہزار ترکی لیرا ہے جبکہ حزب الرفاہ نے ان کی قیمت صرف دو ہزار لیرا رکھی ہے گوشت اور سبزیاں تاجروں کی قیمت سے نصف کی شرح پر رفاہ کی دوکانوں پر فروخت ہو رہی ہیں۔ بعض منصوبے رفاہ نے نافذ کر دیئے ہیں اور بعض ابھی تنفیذ کے مراحل میں ہیں ترکی قوم ان تمام حقائق کا مشاہدہ کر رہی ہے اور ان کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ ان منصوبوں کی تنظیم و تنفیذ سے پارٹی کی عوامی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے اور رائے عامہ کی تشکیل میں اور ذیلی انتخابات میں کافی فرق واقع ہوا ہے۔

افضل ترین بلدیہ

جاپان نے پچھلے دنوں دنیا کی تمام بلدیات کا جائزہ لیا اور تنظیم حکومت اور خدمت معاشرہ کے نقطۂ نظر سے قونیہ کی بلدیہ کو افضل ترین قرار دیا۔ قونیہ کی بلدیہ کا انتظام حزب الرفاہ کے ایک ذمہ دار ڈاکٹر خلیل قرن کی سربراہی میں پچھلے کئی برسوں سے نہایت منظم انداز میں کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ صدر بلدیہ نے جاپان کی راجدھانی ٹوکیو کا سفر کیا اور اس عظیم الشان خدمت کا ایوارڈ حاصل کیا۔ یہ حزب الرفاہ کی شاندار کارکردگی کا عالمی اعتراف تھا۔

بلدیات کے تئیں حکومت کا موقف

ترکی حکومت سابقہ بلدیات کے ساتھ کافی تعاون کرتی رہی ہے۔ قرضوں کی ادائگی میں تخفیف اور مزید قرضوں کی فراہمی کر کے بلدیاتی اداروں کے ساتھ حسن ارتباط کا ثبوت دیتی رہی ہے لیکن حزبُ الرفاہ کو حکمراں جماعت نے اپنا مدّمقابل سمجھ کر اس کے ساتھ سوتیلے پن کا سلوک کیا ہے اور حکومت نے اسے تنگ کرنے کی مختلف چالیں چلی ہیں تاکہ رفاہ کے کارکنوں کی صلاحیت پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے۔ چنانچہ بلدیات کے ذرائع آمدنی ختم کر کے، صدور بلدیات کی کارکردگی کی تنقیص کر کے ان کا عوامی اعتماد ختم کرنے کی

سازش کی گئی ہے۔ دوسری سیاسی جماعتوں کے صدور بلدیات کے دور میں جو قرضے ہو گئے تھے انھیں جلد از جلد چکانے پر زور دیا گیا اس سلسلہ میں حکومت نے نئے قوانین وضع کیے تاکہ رفاہ کے ذمہ داران پچھلے قرضوں کی ادائیگی میں الجھے رہیں اس قسم کے قوانین بھی بنائے گئے کہ قرضوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں بلدیات کی جائیدادیں ضبط کر لی جائیں گی حتیٰ کہ صدر بلدیہ کے گھر پر قبضہ کر لیا جائے گا۔ اس صورتِ حال نے رفاہ کے زیر انتظام بلدیات کی زندگی مفلوج کر دی ہے اور بھاری قرضوں کی ادائیگی اور ناکردہ گناہوں کی سزا نے انھیں سخت مشکل میں ڈال رکھا ہے حالانکہ اس ابتر معاشی صورتِ حال کی ذمہ داری صرف مغرب نواز سابق بلدیات کے صدور کی ٹھہرتی ہے۔

سابقہ بلدیات کے قرضے

پروفیسر اربکان نے ترکی حکومت پر قرضوں کے بوجھ کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا کہ مغرب نواز حکومتوں نے پچھلے پچاس سالوں میں ملک کو قرضوں کے انبار سے بوجھل بنا دیا ہے اور قومی معیشت کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ اقتصادیات ان کے ہاتھوں تباہ ہو چکی ہے اور ملک قرضوں کے بوجھ سے کراہ رہا ہے۔ بیرونی ممالک کا ترکی پر اس وقت ۱۰۰ بلین ڈالر قرض ہے جس کا سود ہر سال ۸،۵ بلین ڈالر بڑھتا جا رہا ہے۔ اندرونی قرضے ۲۰ بلین ڈالر تک پہونچ چکے ہیں اور سود کی شرح اس قدر تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ ترکی لیرے کی قیمت کے مطابق ۸۰ سے ۹۰ فیصد ہو گئی ہے اور اس طرح داخلی اور خارجی قرضوں پر سود کی شرح ۲۰ بلین ڈالر سالانہ تک پہونچ چکی ہے جبکہ ٹیکس کے سخت اور بے رحم نظام سے حاصل ہونے والی سالانہ آمدنی ۱۸ بلین ڈالر سے زیادہ نہیں ہو پاتی اس طرح حکومت کی ٹیکس سے حاصل شدہ آمدنی قرضوں کے سود کی ادائیگی کے لیے بھی کافی نہیں ہوتی۔

قرضوں کی یہ صورت حال ہمارے سامنے ایک اہم سوال پیش کرتی ہے وہ یہ کہ یہ مغرب کی غلام حکومتیں حکومت کے دفاتر اور ان کی تزئین و آرائش پر اس قدر زر کثیر کیوں صرف کرتی ہیں؟ وہ اپنے اداروں اور اوضاع کے تحفظ کے لیے مغرب کے سامنے کاسۂ گدائی پھیلاتی ہیں اور انھیں اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ ملک کا انجام کیا ہوگا۔ وہ کرنسیاں ڈھالتی چلی جاتی ہیں اور ترکی حکومت کی اقتصادیات روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے اور کرنسی

کی قدر گھٹتی جاتی ہے۔

مغرب کی رفاہ سے خوف زدگی

مغرب کی غلامی میں گرفتار یہ حکومتیں قرضوں اور مالی تعاون کی بھیک مانگنے امریکہ اور یورپ پہونچتی ہیں اور وہاں کے قائدین اور عوام کو حزب الرفاہ سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ پروفیسر اربکان نے اس کی ایک حالیہ مثال بیان کی۔ وزیر اعظم ترکی نے اپنے آخری دورۂ امریکہ میں وہاں کے ذمہ داروں سے فرمایا کہ "آپ ہمیں مالی امداد دینے اور قرض فراہم کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ بصورت دیگر حزبُ الرفاہ تاک میں لگی ہوئی ہے۔ اگر ہم اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہے تو رفاہ پارٹی کی اقتدار تک رسائی ہو جائے گی اور ترکی میں اس جماعت کے برسر اقتدار آنے کا مفہوم آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں پھر تو ترکی کی مسلمان فوج ویانا کی فصیلوں اور پیرس کے دروازوں پر دستک دے رہی ہوگی۔" اس طرح مغرب کو ہم سے خوف زدہ کیا جا رہا ہے۔

محترمہ تانسو شیلر نے اپنے آخری دورۂ فرانس میں اسٹراٹیجک اسٹڈیز انسٹی ٹیوٹ میں لیکچر دیا جس میں اراکین پارلیمنٹ اور سیاسی ماہرین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ لیکچر کے اختتام پر کسی شخص نے سوال کیا کہ آپ کا کہنا ہے کہ فرانس نے اگر ہمیں مالی امداد نہ دی تو حزبُ الرّفاہ ترکی میں برسر اقتدار آجائے گی۔ بالفرض اگر ایسا ہو جائے تو کیا ترکی فوج رفاہ کے خلاف انقلاب کا پرچم نہیں سنبھال لے گی جیسا کہ الجزائر میں اسلام پسندوں کے خلاف ہو چکا ہے؟

محترمہ وزیر اعظم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ترکی فوج ایک بنیادی اور اہم سبب کی بنا پر ایسا نہیں کرے گی وہ یہ کہ ترکی کے حالات الجزائر کے حالات سے مختلف ہیں اور ترکی فوج جمہوریت کی حمایت و تائید کرتی ہے اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ ترکی میں جب بھی فوج نے اقتدار سنبھالا، حالات قابو میں آتے ہی وہ اپنے بیرکوں میں واپس چلی گئی اور سیاسی امور کو قومی نمائندوں کے حوالہ کر دیا۔ محترمہ شیلر کو فرانسیسی ماہرین سیاست سے گفتگو کرتے ہوئے متعدد اہم حقائق کا ادراک تھا:۔

ان کے پیش نظر پہلی حقیقت یہ تھی کہ ترکی میں جن فوجی کمانڈروں نے اقتدار پر

قبضہ کیا، انقلاب کے اختتام پر عوام کے اندر سے ان کی ہیبت ختم ہوگئی اور اُن کے تئیں عزت وعقیدت کے جذبات کافور ہو گئے اور ترکی عوام کے اندر وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہ سکے اس کی نمایاں مثال یہ ہے کہ ۱۹۶۰ء میں جو فوجی انقلاب آیا اس کے سربراہوں کی زندگی بعد میں اجیرن ہوگئی اور قاضی سالم پاشو اجس نے عدنان مندریس کو پھانسی کی سزا دلوائی تھی، عوام کے غیظ و غضب اور نفرت کا نشانہ بنے بغیر نہ رہ سکا اور سڑکوں پر چلنا اس کے لیے دو بھر ہو گیا۔ چنانچہ فوجی سربراہوں کو اس مسئلہ کی سنگینی اور اثرات کا پورا احساس ہے۔

محترمہ شیلر کو جس دوسری حقیقت کا اچھی طرح ادراک ہے وہ یہ ہے کہ ۲۷ مارچ کے گزشتہ بلدیاتی انتخابات میں عجیب وغریب نتائج کا ظہور ہوا وہ علاقے اور شہر جہاں فوجی افسران کی رہائش تھی ان میں حزب الرفاہ کے نمائندے کامیاب ہوئے مثال کے طور پر دلجک، کوجیالیک، جبزہ کے شہروں نے جہاں بحریہ کے افسران بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ ہمارے نمائندوں کو کامیاب کیا۔ ان انتخابی حلقوں میں رفاہ کے کارکنوں کو اعلیٰ ترین تناسب میں حمایت اور تائید ملی۔ اسی طرح قونیہ، سنجان اور انقرہ کے علاقوں میں جہاں فضائی فوج کا عملہ رہائش پذیر ہے۔ حزب الرفاہ کو بڑے پیمانہ پر ووٹ ملے۔ استنبول، توزلا، سمندرہ اور کارٹال کے خطے جہاں برّی فوج کے کارکنان رہتے ہیں، رفاہ پارٹی کی فتح وکامرانی کے حلقے ثابت ہوئے۔

ان تمام حقائق کے پیش نظر، جن کا محترمہ شیلا اور سیاسی مشاہدین کو اچھی طرح احساس واعتراف ہے، یہ اشارہ ملتا ہے کہ ترکی فوج کو ملک کے مفاد کے سوا کوئی چیز عزیز نہیں ہے اور وہ حریت وجمہوریت کا احترام کرتی ہے کہ اسی سے ملک کی خوش حالی اور سالمیت وابستہ ہے۔ ترکی فوج کو ملک کے استیصال میں شریک کرنا یا قوم کے خلاف اسے تیار کرنا، جیسا کہ تیسری دنیا کے متعدد ملکوں میں ہو رہا ہے، بڑے خسارہ کا سودا ہوگا کیونکہ ترکی کا اپنا ہیکل اور تشخص ہے۔ اسی لیے ترکی فوج حزب الرفاہ کے برسر اقتدار آنے سے دلچسپی رکھتی ہے اور مسلمان ترک عوام بھی اسی دن کے منتظر ہیں اور خود مغربی رہنماؤں کو بھی اسی کا انتظار ہے[۱۲]

پروفیسر نجم الدین اربکان کے اس طویل انٹرویو سے جہاں ترکی سیاست کے

موجودہ نشیب وفراز اور حزب الرفاہ کی خدمات اور کارناموں پر روشنی پڑتی ہے وہیں ترکی عوام کے اندر ابھرنے والی اسلامی بیداری کے واضح آثار کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس سے اس امر کی نشاندہی بھی ہوتی ہے کہ ترکی میں اسلام پسند رہنماؤں نے اعتدال، توازن اور معقولیت ودور اندیشی کا ثبوت مہیا کیا ہے اور وہ حکمت وفراست کے ساتھ اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہ ہموار کرنے میں مصروف ہیں۔

تعلیقات وحواشی

سلہ ضیا گوک الپ ترکی کا ایک قوم پرست مفکر ورہنما تھا۔ ولادت دیار بکر میں ہوئی۔ ادب وریاضی سے خصوصی دلچسپی لینے کے علاوہ اسکول ہی کے زمانہ تعلیم میں اس نے فرنچ اور مشرقی علوم کا حصول اپنی زندگی کا مقصد بنایا اپنے فاضل چچا کی مدد سے اس نے مفکرین اسلام کا مطالعہ کیا اور دوسری طرف نامق کمال، ضیا پاشا اور احمد مدحت آفندی وغیرہ کے مضامین کا مطالعہ بھی کیا۔ ۱۸۹۶ء میں وہ قسطنطنیہ گیا تاکہ مزید تعلیم حاصل کرے مگر وہ تعلیم سے زیادہ سیاست سے دلچسپی رکھتا تھا اسی لیے انجمن اتحاد وترقی کا رکن بن گیا۔ اس کی بعض باغیانہ تحریروں کی وجہ سے وہ کالج سے نکال دیا گیا اور دیوارِ زنداں کے پیچھے ڈھکیل دیا گیا۔ ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی کے بعد اسے آزادی سے کام کرنے کا موقع ملا اور سلونیکا میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد وہ ایک قوم پرست لیڈر بن گیا اور ترکی قومیت کی اتحاد وتنظیم کی دعوت دینے لگا۔ ۱۹۱۵ء میں وہ علوم عمرانیہ کا استاد استنبول یونیورسٹی میں مقرر ہوا۔ ۱۹۲۲ء میں مصطفیٰ کمال نے اسے ہیئت تالیف وترجمہ کا صدر نامزد کیا اور اسی سال ترکی پارلیمنٹ کا رکن بھی منتخب ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں ۴۸ یا ۴۹ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے اپنی تصنیف Turkish Nationalism and Western Civilization میں مغربی تہذیب کو اختیار کرنے کی دعوت اس لیے دی کہ وہ دراصل قدیم تمدن کے تسلسل کی ایک شکل ہے جس کی نشو ونما میں ترکوں کا خاص حصہ رہا ہے۔

سلہ یہ بات باعث حیرت ہے کہ مغربی اور یورپی سامراج کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر عرب محققین اور ادبا وشعرا بھی سلطان عثمانی کے خلاف الزامات وہفوات کی ترویج میں شریک ہوگئے اور نام نہاد ترک قومیت کے خلاف ردعمل کے طور پر عرب قومیت کا ملحدانہ نعرہ دیا۔ مصری ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کی ایک بڑی تعداد اس خلاف اسلام نظریہ کا شکار ہوگئی اور آج جدید عربی ادب کا بڑا حصہ =

ان زہریلے اور قاتل اثرات سے مسموم ہے۔

۳ـه امپیکٹ انٹرنیشنل، جلد ۲۴، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۹۴ء ص ۱۱

۴ـه وائزمین نے برجستہ کہا:

"It would be a great mistake for Israel to invite comments on the status of Jerusalem. Why should we do that? Jerusalem was and is the eternal capital of Israel."

۵ـه جولائی ۱۹۹۳ء میں مملکت اسرائیل کے ایک مشیر نے ترکوں کو مشورہ دیا کہ کُرد دہشت گردی میں ایران اور شام کے علاوہ یونان بھی ملوث ہے اس لیے اس PKK کی کارروائیوں کے پس پردہ ایتھنز پر بھی نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یونانی کردستان کے مسئلہ کو بین الاقوامی فورموں میں متعارف اور منظور کرا سکتے ہیں۔ ایک طرف یہودیوں نے انقرہ اور ایتھنز کے کشیدہ تعلقات میں مزید بدمزگی پیدا کر کے ترکی کو الجھانے کی کوشش کی اور دوسری طرف حکمت سیٹن کی واپسی کے معًا بعد یونان۔ قبرص وزیر خارجہ الکوس میخائیلیدیز تل ابیب پہونچ گیا تاکہ اقتصادیات، سیاحت اور ثقافت کے میدانوں میں ایتھنز اور تل ابیب کے درمیان تعاون و اشتراک کی راہیں نکالی جاسکیں۔ یہودیوں کی اس دوہری حکمت عملی اور منافقانہ سیاست کے باوجود ترکی حکمراں اُن سے خیر کی توقع لگائے بیٹھے ہیں۔ ع

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

۶ـه امپیکٹ انٹرنیشنل، حوالہ بالا، ص ۱۲

۷ـه امپیکٹ انٹرنیشنل، نومبر ۱۹۹۴ء ص ۹

۸ـه نفس مصدر، ص ۸

۹ـه ۲۷ مارچ ۱۹۹۴ء کے بلدیاتی انتخاب میں حزب الرّفاہ کو ۱۹ فیصد، ٹرُو پاتھ پارٹی (DYP) کو ۲۴٫۹۴ فیصد اور مدرلینڈ پارٹی (ANAP) کو ۲۱٫۷ فیصد ووٹ ملے۔ انتخاب کے ان نتائج کو 'رفاہ زلزلہ' (Refah Quake) سے تعبیر کیا گیا کیونکہ سابق ریکارڈ کے مقابلہ میں حزب الرفاہ کی یہ کامیابی بہت حوصلہ افزا تھی۔

۱۰ـه المجتمع کویت، شمارہ ۱۱۱۹، ۲۸ ربیع الآخر ۱۴۱۵ھ / ۴ اکتوبر ۱۹۹۴ء ص ۲۲ - ۲۵